ضلع مظفر نگر میں محرم کی عزاداری کی روایت

ڈاکٹر مسز عابد رضا زیدی☆ و ڈاکٹر ہاشم رضا زیدی*

مظفر نگر اتر پردیش کے مغربی حصہ کا ایک اہم ضلع ہے۔ یہ قومی شاہراہ نمبر ۵۸ پر دہلی سے لگ بھگ سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور نسبتاً متمول ضلع ہے۔ یہ گنگا جمنا دوآبے کے علاقے میں واقع ہے۔[1] گنگا اس ضلع کی مشرقی سرحد ہے اور جمنا مغربی سرحد اسکے شمال میں اتر پردیش کے دو ضلعے سہارنپور اور ہردوار ہیں اور میرٹھ اور باغپت اس کی جنوبی سرحد بناتے ہیں۔

ضلع کا صدر مقام مظفر نگر ''۳۰ '۱۱ ۲۹طول البلد شمال اور ''۴۵ '۳ ۷۷ عرض البلد کے درمیان واقع ہے۔[2] یہ شہر جہانگیر کے دورِ حکومت سے پہلے نقشے پر موجود نہیں تھا۔ اُس زمانے میں ثروت نام کا شہر اہم جگہ مانی جاتی تھی۔ مظفر نگر نام کا شہر شاہجہاں کے زمانے میں وجود میں آیا۔ سید مظفر خاں کے بیٹے نے اپنے باپ کے نام پر اس کی بناء رکھی تھی۔ اصل میں یہ شہر ثروت سے ہی ملا کر آباد کیا گیا تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ مظفر نگر مشہور ہوتا چلا گیا اور ثروت کا نام معدوم ہو گیا۔ ۱۸۲۶ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے مظفر نگر کو، اس کی اہمیت سمجھتے ہوئے، مظفر نگر کو ضلع کا صدر مقام بنادیا۔[3] اس فیصلے کے بعد یہ جگہ اور مشہور اور اہم ہوگئی۔

مظفر نگر کی تاریخ میں ایک خاندان کی بہت اہمیت رہی ہے۔ یہ 'بارہ سیدوں' کا خاندان ہے۔ یہ سید 'بارہ' کیوں کہلاتے ہیں۔ مورخین کا اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ یہ سید دہلی سے باہر رہتے تھے اس لیے 'بارہ سید' کہلاتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ یہ شیعہ ہیں، جو خاندان رسولؐ میں سے بارہ اماموں کے معتقد ہوتے ہیں، اس لیے انہیں بھی بارہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایک اور خیال یہ ہے کہ چونکہ یہ سید لوگ پنجاب سے ہجرت کرنے کے بعد اس علاقے کے بارہ گاؤں میں قیام پذیر ہوئے اس لیے 'بارہ' کہلاتے ہیں۔[4] زیادہ تر مورخوں نے اسی

☆ میرٹھ * جامعہ ملیہ اسلامیہ

۱- نیول۔ ایچ آر (Nevill H.R.) 'ڈسٹرکٹ گزیٹر آف یونائیٹڈ پراونسیز، مظفر نگر جلد III، گورنمنٹ پریس ۱۹۵۳، ص ۱

۲- ایضاً، ص ۱ ۳- ایضاً، ص ۲۹۵ ۴- ایضاً، ص ۱۱۵

خیال کو تسلیم کیا ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ لوگ پنجابی سید کہلاتے تھے۔ اس خاندان کے جدِّ امجد ابوالفراح واسطی عراق میں واسط شہر کے رہنے والے تھے۔ وہ اپنے بارہ بیٹوں کے ساتھ ہندوستان آئے اور کچھ عرصے بعد اپنے آٹھ بیٹوں کے ساتھ وطن واپس لوٹ گئے۔[۱] باقی چار بیٹے پٹیالہ کے قرب و جوار میں ٹھہر گئے۔ سید داؤد تہان پور میں مقیم ہوئے اس لیے ان کی اولاد تہانپوری کہلاتی ہے۔ سید ابوالفضل چھت بانور میں رُکے۔[۲] ان کی اولاد چھتروری کہلاتی ہے۔ چھت بانوری ہی چھت روری بھی کہلاتے ہیں۔ سید ابوالفاضل نے کنڈلی میں قیام کیا، چنانچہ ان کی اولاد 'کنڈلی وال' کہلاتی ہے۔ سید نجم الدین جوجھر میں آباد ہوئے اس لیے ان کی اولاد 'جوجھاری' یا 'جھجیری' کہلاتی ہے۔ جوجھاری کو 'جھجیر' یا جگنیر بھی کہتے ہیں۔[۳]

پنجاب سے نکلنے کے بعد یہ سید مختلف شاخوں میں تقسیم ہوگئے۔ ایک سید خاندان بلگرام میں مقیم ہوا۔ اس کی ایک ذیلی شاخ ایٹہ ضلع میں مرہارا میں پہنچی اور دوسری شاخ کی چاروں ذیلی شاخیں گنگا جمنا کے دوآبے کے علاقے میں میرٹھ اور سہارنپور کے درمیانی علاقے میں رہنے لگیں۔[۴]

بارہ سید شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ لفظِ شیعہ ایک لفظ 'شاع' سے مشتق ہے جس کے معنی پیروی کرنا' توثیق کرنا، حکم ماننا، کے ہوتے ہیں اس طرح اس سے مراد کسی کا معتقد گروہ یا پارٹی سے ہوتی ہے۔[۵]

ابنِ حزم نے شیعہ کی تعریف مختصراً اسطرح کی ہے۔ ''وہ شخص جو شیعوں کے اس عقیدے سے متفق ہو کہ رسولؐ کے بعد افضل ترین علیؑ ہیں اور وہ اور ان کے بعد اُن کی اولاد ہی کسی اور کے مقابلے میں امامت کے لائق ہیں، شیعہ ہے''۔[۶]

حالانکہ امام حسینؑ کا انتقال کربلا میں چودہ سو سال پہلے ہوا تھا۔ لیکن اس المیہ کو شیعوں اور بہت سے اور لوگوں نے سالانہ محرم کی رسموں کے ذریعہ ایک مستقل اور متحرک جگہ بخش دی، جسے ڈونالڈسن نے ''شیعوں کی رسوم میں ممتاز ترین اور معروف ترین رسم'' [۷] سے تعبیر کیا ہے۔

۱- ابوالفضل، آئین اکبری (بلاچ مین۔ انگریزی ترجمہ) کلکتہ، درسہ ۱۸۷۳، ص ۴۲۸

۲- ایٹکنسن ایڈورڈ، ٹی (Aitkinson Edward T.) اسٹیٹسٹکل ڈیسکرپٹیو اینڈ ہسٹاریکل اکاؤنٹ آف نارتھ ویسٹرن پراونسیز آف انڈیا، جلد III، حصہ II ۱۸۷۶، ص ۵۹۰ ۳- ابوالفضل، سابقہ حوالہ، ص ۲۹-۴۲۸ ۴- ایضاً، سابقہ حوالہ، ص ۴۲۹

۵- ہولسٹر، جان، نارمین (Holister John Nor Man) زیدی شیعاز آف انڈیا' اورینٹل بکس ری پرنٹ کارپوریشن، نئی دہلی، دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۹، ص ۳ ۶- ایضاً، ص ۴ ۷- ایضاً، ص ۱۲۴

۳۵۲ ہجری میں ہی جب بغداد میں بویہ عروج پر تھے معزوالدولہ نے ایک خاص وقفہ وقت میں محرم کے واقعات کی یاد منانے کی رسم شروع کر دی۔[۱]

''بازار بند کردیئے جاتے تھے، قصاب اپنا کاروبار بند کردیتے تھے، باورچی کھانا پکانا چھوڑ دیتے، پانی کی ٹنکیاں (Cistern) خالی کر دی جاتیں، مٹکوں پر نمدے کے ڈھکن رکھ کر سڑک کے کنارے رکھ دیے جاتے، عورتیں بالوں کی لٹیں نیچے گرائے، چہروں پر سیاہی لگائے، پھٹے پرانے کپڑے پہنے، غمِ حسینؑ میں روتی، چہروں پر طمانچے مارتیں راستوں پر چلتی نظر آتی تھیں۔[۲] اس وقت بھی مرثیے اور نوحے پڑھے جاتے تھے۔[۳]

محرم کی رسوم شیعوں کے ساتھ ساتھ پھیلیں۔ ہندوستان میں شیعوں کی آمد کوئی خاص منصوبہ بند انداز میں نہیں ہوئی، رفتہ رفتہ ملک میں داخلے سے ہوئی۔[۴] بس یہ آ گئے۔ کبھی اکیلے کبھی گروہ میں انہیں ہندوستان کی راہیں مل گئیں۔ ان میں سب سے پہلے وہ لوگ تھے جو بنو امیہ اور بنو عباس حکومتوں کے متواتر دباؤ اور بڑھتے ہوئے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے پناہ گزیں کی حیثیت سے یہاں آ کر بس گئے۔ ان کے لیے طاقت کے استعمال کے بجائے پُرامن داخلہ زیادہ مناسب تھا۔ انہوں نے ملک کی زندگی کو بہت کچھ دیا بھی، آرنلڈ کے مطابق۔[۵]

''منتظمین (ایڈمنسٹریٹر) فوجی افسر، علم و ادب کے میدان کے فنکاروں، استادوں اور صوفیوں کی حیثیت سے ہندوستان کے سیدوں نے مسلم تہذیب میں کافی اہم کردار ادا کیا ہے...... صوفی، مذہبی اساتذہ، شعراء اور علمی کاموں میں مصروف، یہاں تک کہ سید سپاہی ہندوستان میں فارسی لطافت و نزاکت اور فہم و فراست اپنے ساتھ لائے''۔

بارہ سیدوں نے مظفر نگر دوآب کے علاقے میں قیام کے بعد سے یہاں کے تمدن کو بہت کچھ دیا اور اس علاقے میں رونما ہونے والے حالات پر گہرا اثر ڈالا۔ کہا جاتا ہے کہ اس علاقے کی تاریخ بنیادی طور پر سیدوں کی تاریخ ہے۔[۶]

پورے مغل دور میں یہ لوگ بڑے مستعد اور بہت بہادر سپاہی مانے جاتے تھے۔ اس دور میں بارہ سادات کے بہت سے لوگوں نے فوجی میدان میں اپنی بہادری و وفاداری میں نام پیدا کیا اور انہیں

۱- ہولسٹر، جان، نارمین (Holister John Nor Man) زیدی شیعاز آف انڈیا' اورینٹل بکس ری پرنٹ کارپوریشن، نئی دہلی، دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۹ء، ص ۱۶۴ ۲- ایضاً، ص ۱۶۴ ۳- ایضاً، ص ۱۶۴ ۴- ایضاً، ص ۱۰۱ ۵- ایضاً، ص ۱۰۲

۶- نیول۔ ایچ آر، سابقہ حوالہ، ص ۹۰

بہت اہم منصب عطا ہوئے۔ انہیں بہار، بنگال، مالوہ اور دوسرے صوبوں میں اہم انتظامی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ ان کے سلسلہ میں ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ بارہ سادات کے لوگ ملک کے دوسرے حصوں میں انتظامی یا فوجی خدمات انجام دیتے ہوئے اپنے گھر والوں کو اپنے ساتھ نہیں رکھتے تھے۔ خاندان کی رہائش بارہ سادات کے علاقے میں ہی تھی۔ انہوں نے اپنے علاقے میں بہت سی عمارتیں بنوائیں اور کیونکہ شیعہ تھے اس لیے اس علاقے میں محرم کی عزاداری کی روایت بھی اپنے ساتھ لائے۔ اس سلسلے میں شروع میں مجالسِ عزاء ان کے گھروں کے اندر ہی منعقد ہوتی تھیں، لیکن جب علاقے میں ان کے قدم مضبوطی سے جم گئے تو انہوں نے عاشور خانے یا 'امام باڑے' بنوانے شروع کردیئے۔ یہ قابلِ ذکر بات ہے کہ شیعوں کے یہاں کوئی بھی محفل یا مجلس مسجد میں نہیں ہوتی۔[۱] اسے صرف نماز کے لیے وقف رکھا جاتا ہے۔ امام باڑوں کو صرف مجلسوں اور اماموں کی یاد کے سلسلے کے اجتماع کے لئے بنوایا گیا ہے۔

مجالس کا سلسلہ مجتمع رکھنے کے لیئے ایک تار یا رسّے کی سی حیثیت رکھتا ہے اور یہ سوگ کے دس دن یا اس سے بھی زیادہ مدت میں ہونے والے پروگراموں کو یکجا اور منظم رکھتا ہے۔ اس میں روزانہ درجہ بدرجہ واقعات کربلا کو یاد کیا جاتا ہے۔ اس وقت سے جب کوفیوں کی طرف سے حسینؑ کو بلانے کا پہلا خط ملا اُن کی شہادت کے آخری لمحوں تک کو یاد کیا جاتا ہے۔ نیچے ہم اس ضلعے کے کچھ مقامات پر عزاداریٔ محرم کی کچھ رسوم و روایات کو مختصراً بیان کررہے ہیں۔

سمبھلیڑا: یہ وہ پہلا گاؤں ہے جہاں پنجاب سے ہجرت کرنے کے بعد بارہ سیدوں نے اس علاقے میں سکونت اختیار کی تھی۔ اس گاؤں میں اب بھی کئی سید خاندان آباد ہیں۔ اس گاؤں میں پانچ پرانے امام باڑے ہیں، جن کے نام ہیں:

۱- طالب علی کا امام باڑہ
۲- مشرف حسین کا امام باڑہ
۳- ساجد حسین کا امام باڑہ
۴- ڈپٹی نثار حیدر کا امام باڑہ
۵- تقی کا امام باڑہ

۱- ہولسٹر، جان، نارمن، سابقہ حوالہ، ص ۱۶۵

طالب علی کا امام باڑہ لگ بھگ ۱۵۰ سال پرانا ہے۔[۱] پہلے دس دنوں میں روزانہ صبح کو دو مجلسیں ہوتی ہیں، ایک مردانی، ایک زنانی، اس امام باڑے میں ۶ رمحرم کو ضریح رکھی جاتی ہے۔ اس ضریح کو میراپور قصبے سے لایا جاتا ہے۔ مہندی کا جلوس حضرت قاسم کی یاد میں نکالا جاتا ہے۔ جو امام حسنؑ کے بیٹے تھے اور ان کی شادی امام حسینؑ کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ مہندی ڈپٹی جعفر حسین کے امام باڑے سے یہاں لائی جاتی ہے۔ ۸ رمحرم کو اسی امام باڑے سے ایک تابوت لایا جاتا ہے اور 'سقہ کی روایت' انجام دی جاتی ہے جس میں حضرت امام حسینؑ کے رفقاء کے چھوٹے سے لشکر کے سپہ سالار اور علمبردار حضرت عباس کی یاد میں نوخیز لڑکے سقے بننے کی رسم ادا کرتے ہیں، ہتھکڑی، بیڑی اور ڈھال پر نذر دی جاتی ہے جس سے امام حسینؑ کے گھرانے کی اسیری کی یاد دلائی جاتی ہے۔ ذوالجناح کے ساتھ علم کا جلوس ۸ راور ۱۰ محرم کو نکلتا ہے۔ عام طور پر مقامی لوگ ہی 'حدیث' اور تحت اللفظ مرثیہ پڑھتے تھے مگر اب کوئی خطیب (مولانا) مجلس کو خطاب کرتے ہیں۔

ایک اور امام باڑہ جو 'بیچ کی ڈیوڑھی کہلاتا ہے، اسے تحصیل سے سو روپیئے مالی اعانت کے طور پر ملتے ہیں۔ یہاں بھی پہلی سے ۹ رمحرم تک ایک اور دو بجے کے درمیان مجلس ہوتی ہے۔ اسی طرح ساجد حسین کے امام باڑے اور مشرف حسین کے امام باڑے، دونوں جگہ محرم کے دس دن مردانی اور زنانی دونوں مجلسیں ہوتی ہیں۔ لکڑی کی ایک نوے یا سو سال پرانی ضریح ساجد حسین کے امام باڑے میں اب بھی موجود ہے، ڈپٹی جعفر حسین کا امام باڑہ جسے نقی کا امام باڑہ بھی کہتے ہیں، یہ بھی بہت پرانا امام باڑہ ہے اور یہاں بھی محرم میں روزانہ رات کو مجلس ہوتی ہے۔ اس طرح یہ تمام کام بالکل منظم ہیں اور مختلف امام باڑوں میں مختلف مگر مقررہ وقت پر مجلسیں ہوتی ہیں۔

اس کے بعد پہلی سے دس صفر تک مولانا ممتاز کے گھر میں خواتین کے لیے شب بیداری ہوتی ہے اور ۱۱ سے ۲۰ صفر تک 'مردانہ عشرہ' (مردوں کی دس مجلسیں) منعقد ہوتا ہے۔ اس طرح چہلم تک مجلس کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔[۲]

جانسٹھ: جانسٹھ بارہ سیدوں کی تہان پور شاخ کا مسکن ہے۔ اس قصبے میں زیادہ مشہور امام باڑے ہیں:

۱۔ شیش محل امام باڑہ

۱۔ انٹرویو ۱۷ راکتوبر ۲۰۰۶، سید شہاب عالم ابن سید ظہیر عالم مرحوم، عمر ۵۵ سال، سکونت سمبھلیڑا، گاؤں، مظفر نگر، سید سیف عالم ابن سید شاہ عالم، عمر ۲۰ سال، سکونت، سمبھلیڑا گاؤں، مظفر نگر ۲۔ انٹرویو " " "

۲- رنگ محل امام باڑہ

۳- جمعہ امام باڑہ

۴- جنت آباد امام باڑہ

۵- موتی محل امام باڑہ

شیش محل امام باڑہ سب سے پرانا ہے جسے سید حسین علی خاں نے سترھویں صدی میں بنوایا تھا۔ سید حسین علی خاں اور ان کے بھائی سید عبداللہ خاں آخری مغل دور کی تاریخ میں 'بادشاہ گر' کہے جاتے تھے۔ حسین علی خاں نے ہی یہاں عزاداری کی ابتداء کی تھی۔ رنگ محل کا امام باڑہ سید ذوالفقار علی خاں نے بنوایا تھا۔ رنگ محل اور ایک مسجد ۱۸۰۵ میں بنی تھی، امام باڑہ ان کے کچھ بعد میں بنا تھا۔ ذوالفقار علی خاں کے ورثاء اب بھی وہاں رہتے ہیں۔ عباس علی اس کے متولی ہیں۔ اس زمان میں یہ امام باڑہ بغیر چھت کا ہے، صرف شاہ نشین باقی ہے۔ شروع میں اس امام باڑے میں چند مجلسیں ہوتی تھیں۔ مگر جب سے ذوالفقار علی خاں کے بیٹے سید مظفر خاں نے ایک ضریح لاکر امام باڑے میں رکھی ہے یہاں مجلسوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔[۱] جمعہ امام باڑہ بھی کافی پرانا ہے۔ اب اس کی تعمیر نو ہوئی ہے۔ اس امام باڑے میں رسول اللہ کا 'قدم شریف' بھی ہے۔ اس امام باڑے کے انتظامات کو ایک دس ممبری کمیٹی انجام دیتی ہے۔ محمد علی صاحب اس کے متولی ہیں۔ جنت آباد جانسٹھ کا بہت پرانا محلّہ ہے۔ امام باڑے میں ایک کتبہ موجود ہے جس میں اسکی تاریخ ۱۳۰۹ ہجری لکھی ہوئی ہے۔

محرم کے پہلے نو دنوں میں جنت آباد کے امام باڑے میں عورتوں کی مجلس شام کو اور مردوں کی مجلس صبح کو شیش محل کے امام باڑے میں ہوتی ہے۔ نو تاریخ کو ایک الوداعی مجلس ہوتی ہے جس میں عباس علی خاں تحت اللفظ مرثیہ پڑھتے ہیں۔ عشرے کا جلوس شیش محل امام باڑے سے شروع ہوتا ہے، رنگ محل کے لوگ 'سواری' پڑھتے ہیں اور جلوس کلی دروازے سے ہوتا ہوا جمعہ امام باڑہ پہنچتا ہے[۲]۔ یہاں بھی ایک 'چھوٹی مجلس' ہوتی ہے اور دوسرے تمام امام باڑوں کے جلوس جمع ہوکر ایک بڑے جلوس کی شکل میں کربلا کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ شام کو رنگ محل امام باڑے میں شام غریباں کی مجلس ہوتی ہے۔ یہ مجلس ایک عرصے سے یہاں ہوتی آرہی ہے۔ اس میں کوئی خطیب واقعات کربلا

۱- انٹرویو ۱۸/اکتوبر ۲۰۰۶، سید ظریف الحسن، ابن اکبر حسین، عمر ۳۳ سال سکونت: شیش محل۔ جانسٹھ

۲- انٹرویو ۲۵/اکتوبر ۲۰۰۶، سلیمان علی خاں، ابن صنعیم علی خان عمر ۶۰ سال، سکونت، رنگ محل، موجودہ پتہ، رام پورم، مظفرنگر

بیان کرتا ہے۔ رات کو عزادار کربلا جاتے ہیں اور وہاں روشنیاں رکھتے ہیں۔ اس کے بعد چہلم تک جنت آباد امام باڑے میں روزانہ مجلس ہوتی ہے۔۱

مظفرنگر: جیسا پہلے بیان کیا گیا مظفرنگر کو ابوالمظفر خاں کے بیٹے نے اپنے باپ کے نام پر آباد کیا تھا۔ ابوالمظفر کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔

۱- سب سے بڑے بیٹے منصور علی نے منصور پور آباد کیا۔

۲- دوسرے بیٹے منور خان نے اپنے باپ کے نام پر مظفرنگر آباد کیا۔

۳- تیسرے بیٹے نے اپنے باپ کے خطاب (خان جہان) کی نسبت سے خانجہاں پور بسایا اور پھر اپنے نام پر شیر پور گاؤں بسایا۔

منور علی خاں اکے پانچ بیٹے تھے۔

۱- سید طٰہٰ، ۲- سید وجیہ الدین، ۳- سید عیوض علی، ۴- سید ابواسعید خاں اور ۵- سید نصراللہ خاں۔

نصراللہ خاں نے محلّہ ندی والا اور پچدرہ بسایا۔ وجیہہ الدین نے محلّہ موتی محل آباد کیا۔ ابوسعید خاں نے محلّہ ابوپورہ آباد کیا۔ مظفرنگر شہر میں موتی محل، کٹھیرا، ندی والا، ابوپورہ اور 'بیچ والا' سب سے پرانی آبادیاں ہیں۔ بیچ والا محلے میں ایک بہت پرانا شاہ جہاں کے وقت کا امام باڑہ موجود ہے۔ موتی محل والا امام باڑہ ابوسعید خاں نے بنوایا تھا۔ ندی والا امام باڑے میں ایک کتبہ ہے جس میں لکھا ہے:

ظہور وقف شداز سید ذوالفقار علی مرحوم

محرم کے پہلے چھ دنوں میں ان سب چھ امام باڑوں میں مجلسیں ہوتی ہیں۔ پھر چھ تاریخ سے علموں کے جلوس کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اب پانچ تاریخ کو بھی دو جلوس نکلنے شروع ہوئے ہیں، جو بکرا مارکیٹ اور کھالا پار میں امام باڑہ خورجے والے سے بالترتیب نکلتے ہیں۔۲

چھٹی تاریخ کو ایک مجلس کے بعد علَم کا جلوس انصاری روڈ پر نذر محمد ایڈووکیٹ کے گھر سے بھوکا محلّہ امام باڑے کے لئے نکلتا ہے۔ سات اور آٹھ محرم کے جلوس، جن میں 'سواری' پڑھی جاتی ہے موتی محل سے سات تاریخ کو اور ابوپورہ سے آٹھ تاریخ کو نکلتے ہیں۔ یہ جلوس شہر کے تمام مشہور امام باڑوں سے گزرتے ہیں۔

۱- انٹرویو: ۱ نومبر ۲۰۰۶، غلام علی، ابنِ غلام حسن عمر ۵۰ سال، سکونت جانسٹھ مظفرنگر

۲- انٹرویو ۵ نومبر ۲۰۰۶، رضی الحسن، ابن ریاض الحسن، عمر ۷۰ سال، سکونت بھوکا محلّہ، مظفرنگر

۱۰ رمحرم کا جلوس مذکورہ بالا دونوں امام باڑوں سے نکلتے ہیں اور بھگت سنگھ مارکیٹ پر مل جاتے ہیں اور یہاں سے کربلا چلے جاتے ہیں۔

علَم، تعزیہ اور ذوالجناح ان جلوسوں میں شامل ہوتے ہیں۔ ۱۰ رمحرم کو سنی حضرات بھی تعزیے نکالتے ہیں۔

مظفر نگر ضلع: مظفر نگر ضلعے میں بہت سے گاؤں ہیں جہاں سیدوں کی آبادی خاصی بڑی تعداد میں ہے۔ کچھ عرصے پہلے تک صرف چند بااثر سید خاندانوں میں ہی مجلسیں ہوتی تھیں جن میں قرب و جوار کے گاؤں کے لوگ شرکت کرتے تھے۔ مگر اب ساداتِ بارہ کے علاقے کے اُن تمام گاؤوں میں جہاں سیدوں کی آبادی ہے۔ (پورے ضلعے میں لگ بھگ ۴۰ گاؤں) مجلسیں ہوتی ہیں اور ان کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ مجلس کا طریقہ ہے کہ سب سے پہلے دو تین افراد کی ٹولی سوز، سلام، مرثیہ اور تحت اللفظ پڑھتی ہے۔ پھر ایک ذاکر (خطیب) بیان (ذاکری) کرتا ہے اور تفصیل سے کربلا کے واقعات بیان کرتا ہے پہلے ہر گاؤں میں دو تین افراد تحت اللفظ مرثیہ پڑھنے میں مہارت رکھتے تھے۔ تحت اللفظ صرف ایک شخص پڑھتا تھا۔ اور عام طور پر میر انیسؔ یا مرزا دبیرؔ کے مرثیے پڑھے جاتے تھے۔ مگر اب ہندی کا چلن بڑھنے سے یہ روایت معدوم ہوتی جارہی ہے چونکہ وہ لوگ جو اردو اور فارسی پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں بہت کم رہ گئے ہیں۔[۱]

محرم کے جلوسوں میں علَم، ضریح، تعزیے اور ذوالجناح نکالے جاتے ہیں۔ ضریح حضرت علیؑ یا امام حسینؑ کے روضے کی شبیہہ ہوتی ہے۔ لفظ 'تعزیہ' یوں تو غم کو ظاہر کرتا ہے مگر ہندوستان میں اب یہ امام حسینؑ کے روضے کی چھوٹی شبیہہ کے مترادف ہے۔ تعزیے مختلف اونچائی، مختلف تناسب اور مختلف چیزوں کے بنے ہوتے ہیں۔ مگر اپنی شکل کے لحاظ سے عام طور پر یہ ایک گنبد والے مقبرے جیسے ہوتے ہیں۔ علَم میں سب سے اوپر ایک پنجا (کھلے ہاتھ کی شبیہہ) جو رسول اور اُن کے چار قرابت داروں ('پنجتن' یعنی محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ) کو یاد دلاتا ہے۔ سمبھلیڑا میں طلب علی کے امام باڑے میں موجود ایک پنجے (لگ بھگ ڈیڑھ دو سو سال پرانا) کی تصویر آخر میں دی گئی ہے۔ نوحے کے ساتھ عزادار، یا حسینؑ، کے نعروں کے ساتھ ہاتھ سے سینے پر ماتم کرتے ہیں۔ کچھ لوگ زنجیروں میں لگی چھریوں سے اپنی پیٹھ پر بھی ماتم کرتے ہیں جس سے خون نکلنے لگتا ہے۔

۱- انٹرویو ۷ نومبر ۲۰۰۶، سید شمو، ابن سید مقصود علی، عمر ۴۵ سال، سکونت بھٹورا گاؤں، مظفر نگر

کربلا میں قبریں بنائی جاتی ہیں اور تعزیے (کے کچھ چھوٹے حصے) اُن میں رکھ کر انہیں مٹی اور پانی کے ساتھ دفن کیا جاتا ہے۔

عزادار محرم کے مہینے میں کالے کپڑے پہنتے ہیں اور زندگی کی کسی آسائش سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔ جب محرم کا چاند نظر آتا ہے تو عورتیں اپنی چوڑیاں اور زیور اتار دیتی ہیں اور رنگین کپڑے نہیں پہنتیں۔ ہنسا سختی سے منع ہوتا ہے۔ بارھویں (یعنی عشرے سے تیسرے دن) کو ایک مجلس ہوتی ہے جس کا سلسلہ چہلم تک چلتا ہے۔ چہلم کو پھر ایک جلوس نکلتا ہے۔ کگرولی گاؤں میں اربعین کی مجلس ہوتی ہے۔[1] سوگ کا زمانہ ۸ ربیع الاول تک بڑھا دیا گیا ہے۔ اس روز عزادار سوگ کا یہ زمانہ پورا کر کے زندگی کے عام معمولات پر واپس آ جاتے ہیں۔

۱- انٹرویو ۷ نومبر ۲۰۰۶، سید رونق علی زیدی، ابن سید نائب حسین عمر ۵۸ سال، سکونت انصاری روڈ، مظفر نگر